پریم چند کی ناول نگاری اور اس کے اثرات

پریم چند نے اس دور میں ناول لکھنا شروع کیا جب کہ خواب ہستی اور امراو جان ادا منظر عام پر آچکا تھا۔ ابتداء میں انہوں نے ہندو معاشرت اور اس کی پیچیدگی پر مبنی اصلاحی ناول لکھے، ان ناولوں کا پس منظر انہوں نے ایسے معاشرے کو بنایا جس کا ان کو خود مشاہدہ تھا۔ اس طرح ان کے تمام ناول حقیقت اور صداقت کے غماز ہیں جہاں ان کے شدید جذبات اور غیر منطقی جانب داری کو خاص دخل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے ابتدائی ناولوں کو فنی طور پر کامیاب نہ بنا سکے جس درجہ کے ان کے ناول بازار حسن، گوشہ عافیت ،میدان عمل، نرملا اور گئودان ہیں۔ پریم چند کے ناول خاص طور سے گئودان اور میدان عمل کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناول نگاری کے فن کی جس روایت کو نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور مرزاہادی رسوا نے قائم کیا تھا اسے پریم چند نے فنی اعتبار سے مزید وسعت اور گہرائی بخشی۔

سرشار عمیق مطالعہ رکھنے کے باوجود نہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا محاصرہ کر سکے اور نہ ہی لازمی، غیر لازمی اہم اور غیر اہم میں فرق قائم کر سکے۔ پریم چند کے ناول معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی گوشوں کا اس طرح محاصرہ کرتے ہیں کہ ان کے ناول ان تمام چیزوں کے ساتھ ہی ایک خاص قوم کے مزاج کے مفسر اور مبصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں قومی زندگی کے خارجی پہلو کے ساتھ ساتھ ان کے داخلی کیفیتوں کی اس طرح عکاسی کی ہے کہ اس قوم کے جسم اور روح دونوں کے فرق عیاں ہوگئے ہیں اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ناول ہندستان کے شہروں دیہاتوں کے نچلے اور متوسط طبقوں کی تہذیبی اور قومی الجھنوں اور کشیدگی کے آئینے ہیں۔ پریم چند کے ناول اردو ناول کی تاریخ میں زندگی اور فن کی عظمت اور بلندی کے بہترین مظہر ہیں۔ ان میں سب سے پہلے کے ناول نگاروں نے فن کی جو روایت قائم کی تھی۔ اسے انہوں نے وسعت ہی نہیں دی بلکہ اپنی فنی بصیرت سے ایک نیا مفہوم دیا۔ پریم چند کے ناولوں میں جہاں مارکس اور ٹالسٹائی کے نقطۂ نظر کو دخل ہے وہیں قدامت پسندی یا مشرق پسندی بھی غالب ہے۔

اس طرح پریم چند کے بعد جن لوگوں نے فن اور فلسفہ حیات پر مبنی ناول نگاری کی اور اردو ناول کو فنی اعتبار سے آگے بڑھایا ان میں سجاد ظہیر، عصمت چغتائی، عزیز احمد، کرشن چند اور قرۃالعین حیدر کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

ترقی پسند تحریک کے ادیبوں نے مارکسزم اور موجودہ سائنس اور سماجی علوم کی روشنی میں اپنا اظہار خیال کیا۔ ان لوگوں کا مقصد سماجی اصلاح تھا اور اس کام کو ان لوگوں نے ایک جذبہ امید اور پروگرام کے تحت بخوبی انجام دیا۔ اس کا پرچار ان لوگوں نے اردو ادب میں افسانہ لکھ کر کیا یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے ترقی پسند تحریک کا رویہ زندگی کے بارے میں صداقت پر مبنی تھا۔ سجاد

ظہیر، کرشن چندر، عصمت چغتائی عزیز احمد اس زمانہ کے ناول نگار تھے۔ ان بزرگوں میں سوچنے سمجھنے اور اظہار خیال کا انداز جداگانہ تھا۔ یہ لوگ درمیانی طبقہ کے لوگ تھے قدامت پرستی رسم رواج اور اخلاقی بندھنوں کی چہار دیواری میں قید تھا جس کا مستقبل تاریک ہی تاریک نظر آرہا تھا جس کا احساس ان لوگوں کو شدت سے تھا کہ یہ طبقہ برباد ہونے جارہا ہے۔ یہ طبقہ اپنے قدیم رواج کی ڈوری میں جکڑا ہوا شاید ہمیشہ رہ جائے اور اس کا پھر بہت برا ہو جائے آخر کار انہوں نے اس طبقہ کے لوگوں کو تعلیم کی دعوت دی انسانیت اور جدید و قدیم کے موضوع پر نہایت ہی خلوص و محبت کے ساتھ تبلیغ کی۔ یہ تبلیغ ان لوگوں نے تحریری اور تقریری دونوں طرح سے کی۔ ان لوگوں نے جدید سائنس کی روشنی میں اچھے مواد اور فن کی کسوٹی پر ناول نگاری کر کے متوسط طبقہ کے لوگوں کو بیدار کیا جیسا کہ سجاد ظہیر نے اپنے ناول لندن کی ایک رات میں اپنے دانشورانہ جذبات و احساسات اور داخلی اظہار خیال کی تکنیک سے تخلیقی حسن کو وقار بخشا۔ یہ ناول سجاد ظہیر کی وہ نثری کاوش ہے جو 1938ء سے اب تک مسلسل شائع ہوتی رہی ہے ناولٹ کے متن اور مواد کی اہمیت کی پیش نظر تنقیدی ایڈیشن بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ یہ ناول اردو میں فنی نقطۂ نظر سے جدید ناول کی خشت اول ہے۔ لندن کی ایک رات ترقی پسند ادب کا ابتدائی نمونہ ہے۔ یہ ایک ایسا ناول ہے جو 1965ء سے پہلے لکھے جانے کے باوجود آج کے نئے زمانے سے بھی نہ صرف جڑا ہوا ہے بلکہ عکاس اور آئینہ دار بھی ہے کیونکہ آج بھی مغربی دنیا میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کے مسائل زیادہ بدلے نہیں ہیں۔ دوسری طرف عصمت چغتائی نے اپنے ناول ٹیڑھی لکیر میں تحلیل نفسی کے ذریعہ شمن کے کردار کو اجاگر کیا اور گاوں گھروں میں استعمال ہونے والی روزمرہ کی بول چال کو اردو ادب میں ادبی مقام بخشا۔ کرشن چندر نے خلقت کے ابدی حسن کی گود میں سماج کے مختلف طبقہ میں ہونے والے ظلم و ستم انسان کی پریشانی اور بے بسی کے پردہ کو فاش کیا تو عزیز احمد نے ایسی بلندی ایسی پستی میں تعلق دارانہ مشرقی اور متوسط طبقہ کے سماج میں عام لوگوں کی تنگدستی اور دیگر بدحال کو اپنا موضوع بنایا۔ ان لوگوں کے ناول سماجی مسائل پر مبنی ہیں اور اعلی شاہ کار ہیں جس کے ذریعہ عام لوگوں کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ خواہ غریبی ہو یا باہمی کشیدگی یا ایک دوسرے پر ظلم و ستم کے واردات۔ ہر مسائل اور مسائل کے حل کو اپنے ناولوں میں قلم بند کیا مگر پریم چند کے ناول گئودان کی طرح نشاۃ حیات کا ہمہ جہتی رزمیہ نہیں۔ بہر حال ان لوگوں کا ناول فن اور اسلوب کے لحاظ سے بہت دلکش اور دلچسپ ہے جس کا نذیر احمد یا پریم چند کی ناول نگاری میں سراغ نہیں۔ ان ترقی پسند ادیبوں کے دل میں قوم کا درد تھا جو کچھ دیکھا اس کو محسوس کیا اور ناول کے سانچے میں ڈھال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے ناول میں صداقت پر مبنی کردار ملتے ہیں۔ ان لوگوں کے ناول میں صرف اقربا پروری قدیم عقائد اور زمانے سے چلی آنے والی رسم و رواج کی کشمکش اور پیچیدگی ہی نہیں بلکہ آزادی، انصاف اور انسان دوستی کے نئے ادارے، نئی دنیا کی تلاش اور نئے خوابوں کی تعبیر بھی نظر آتی ہے۔

اس بات سے کسے انحراف ہے کہ انگریزی دور حکومت میں ہندوستانی عوام غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے۔ بڑے لوگ مزدور طبقے کو استعمال کرنے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد کر رہے تھے۔ اس بد عنوان حکومت کی بد نظمی جارحانہ رویہ قید و بند کے نظارے متزلزل او نیم مردہ حالات ان ترقی پسند ادیبوں کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ مجاز کی نظم 'آوارہ' میں ہیرو کا کردار اسی نوعیت کا ہے۔ جب ترقی پسند ادیبوں کے علاوہ گاندھی اور دوسرے رہنماؤں کے خون پسینہ کے صدقے ہندوستان آزاد ہوا تو ہندوستانیوں کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں آرام کوسوں دور ہو گئے۔ مذہب کے نام پر نفرت بغض و کینہ، فسادات قتل عام اور حیوانیت کے خوفناک رویہ کا آغاز ہوا تو ترقی پسند ادیب خوشگوار آزادی کا یہ نتیجہ دیکھ کر خوف سے چیخ پڑے۔ ایسے موقع سے کرشن چندر نے غدار اور رامانند ساگر نے اور انسان مرگیا تخلیق کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اس کے علاوہ ایسے موقع سے ادیبوں نے بے شمار افسانے اور ناول تخلیق کر کے اس کے پس منظر میں اخوت، مروت، انسان دوستی، بھائی چارگی، قومی یکجہتی کی تلقین کی۔ اس سے قبل کے افسانوں میں فکر کی گہرائی اور تنظیم کا فقدان ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ناول ناول اور افسانہ افسانہ کہلانے کا مستحق نہیں در اصل وہ دور ہی بحران اور خلفشار کا دور تھا ان ادیبوں کا فرض تھا کہ فوری طور پر حالات کو قابو میں لا کر ماحول ساز گار بنائیں۔ البتہ ایسے وقت میں ان لوگوں نے جذبات سے کام لیا جس کی وجہ سے ان لوگوں کی تخلیق میں فکر و فن کی کمی نظر آتی ہے۔

بہر حال پرچم آزادی کے تلے ظلم و ستم مذہب کے نام پر فرقہ وارانہ فسادات اور مختلف قسم کے واقعات رونما ہوئے۔ اس کی برق رونے دل و دماغ کو جھنجھوڑ ڈالا اس کے دو نتائج بر آمد ہوئے اول کچھ لوگ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے دوسرا ہندوستانی سماج میں جاگیر دارانہ نظام کا خاتمہ ہوا۔ ظلم و زیادتی کی دیوار گر گئی اور عام لوگ خوشگوار زندگی گذارنے لگے۔ اس عہد میں قاضی عبد الستار اور انور عظیم جیسے ناول نگاروں نے جاگیر دارانہ نظام کے خلاف ناول لکھا۔ قاضی عبد الستار کا ناول شب گزیدہ اور انور عظیم کا ناول دھواں دھواں سویرا اس امر کی عمدہ مثال ہے۔ اور قرۃ العین حیدر کا ناول میرے بھی صنم خانے سے بھی اس بد عنوان نظام کا شیرازہ بکھرنے کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ساتھ ہی قاضی عبد الستار اور انور عظیم نے اپنے ناول میں تاریخی و طبقاتی شعور کے مطالعہ و مشاہدہ کے ذریعہ اس جارحانہ نظام میں ہونے والے ظلم و ستم اور عام انسان کی محنت کے استحصال کی داستان بہت ہی موثر اور فنی چابک دستی سے قلم بند کی ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ پریم چند نے سماج اور سماج کے مسائل کو جس طرح ادب کا حصہ بنایا اس نے اردو ناول نگاری کو ایک نئی راہ پر گامزن کیا اس کی پیروی میں بہت سے قلم کار سامنے آئے اور اردو ناول کو بلندیوں پر لے گئے۔ ان میں مذکورہ بالا قلم کاروں کے علاوہ سہیل عظیم آبادی، شوکت صدیقی، اوپندر ناتھ اشک، مہندر ناتھ، انتظار حسین، ممتاز مفتی، عبد اللہ حسین، صالحہ عابد حسین، خدیجہ مستور، شکیلہ اختر، جیلانی بانو وغیرہ سب شامل ہیں۔ بہت سے یادگار ناول انہوں نے لکھے لیکن یہ بھی ایک سچائی ہے کہ آج بھی ہندوستان کے گائوں اور گائوں کے لوگوں کے مسائل پر سب سے اچھا ناول گئودان ہی مانا جاتا ہے۔